ڈاکٹر گل حسن لغاری

ترجمہ: جناب رحمت فرخ آبادی ایم۔ اے

سندھ کے مشہور محدّثین

سرزمینِ سندھ کو یہ شرف حاصل ہے کہ دینِ اسلام کی روشنی نے نہ صرف اس سرزمین کو منور کیا قرب و جوار میں بہت سے گمراہ لوگوں اور مردہ دلوں کو بھی زندۂ جاوید حقیقت سے آشنا کر کے نئی زندگی بخشی۔ قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کا علم ہو یا فقہ و منطق اور علم و عرفان، سرزمینِ سندھ کو شرف حاصل ہے کہ یہاں اب بھی ان تمام علوم کے ماہرین موجود ہیں اور یہ کہ سندھ کی تاریخ کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا ہے کہ جس میں دینی علوم کے بارے میں علماء اور فقہا کی کمی ہو بلکہ سندھ کے عالم اور فقیہ عرب و عجم تک میں درس و تدریس کے لیے دیوانہ وار تیار رہتے تھے۔

ابو معشر نجیح سندھی

دوسری صدی ہجری میں جو لوگ حدیث و سیرت کے امام سمجھے جاتے تھے، ان بزرگوں میں ابو معشر سندھی بھی شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ مدینہ منورہ گئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی، اسی وجہ سے مدینہ میں انہیں فنِ مغازی اور سیرت کا امام سمجھا جاتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کا نام اس فہرست میں بھی رہا ہے جو مغازی اور سیرت کے واقعات پر سب سے پہلے ضبطِ تحریر میں لائی گئی۔ ان کی وفات ۱۷۰ھ میں ہوئی انتقال کے وقت تک ان کے لب و لہجے پر سندھی اثرات باقی رہے اور اسی وجہ سے وہ الفاظ کے مخرج کو صحیح طور پر ادا نہ کر سکتے تھے لیکن اس کے باوجود دینی علوم کی تعلیم کے لیے تلامذہ جھمگٹا رہتا تھا۔ ابو معشر کی نمازِ جنازہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے پڑھائی تھی۔

رجا سندھی

سندھی کے دوسرے بزرگ اور نامور محدّث رجا سندھی ہیں۔ یہ ایران پہنچے تو خدمتِ حدیث مقصد تھا فنِ حدیث پر رجا سندھی کو اس درجے عبور حاصل تھا کہ لوگ انہیں "رکن من ارکان الحدیث" کہتے تھے۔ رجا سندھی نہ صرف اعلیٰ پائے کے محدث تھے بلکہ ان کے خاندان کے بیشتر افراد بھی حدیث جانتے تھے۔ ان کا انتقال ۲۲۱ھ میں ہوا۔

سید عبدالاوّل جون پوری

اکبری دور کے عالم سید عبدالاوّل جون پوری (متوفی ۹۶۵ھ) اپنے زمانے کے مشہور محدّث تھے۔ ان کے تلامذہ میں سے ایک بزرگ شیخ طیب سندھی بھی تھے، جنہوں نے گجرات میں فن حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی، بعد میں شیخ طیب سندھی نے تقریباً پچاس سال ایلچ پور اور

برہان پور میں علمِ حدیث کی خدمت کی۔ شیخ علی متقی جن کا خاندانی وطن جون پور تھا لیکن وہ عنفوانِ شباب ہی میں ملتان چلے گئے تھے اور وہاں انہوں نے شیخ حسام الدین متقی سے علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حاصل کی، پھر ملتان سے وہ عرب چلے گئے اور وہاں چند سال انہوں نے حجاز کے مشہور و معروف اساتذہ اور مشائخ کبار کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان علما اور مشائخ میں شیخ ابن حجر مکی صاحب صواعق محرکہ، شیخ ابوالحسن بکری اور محمد بن محمد سخاوی قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ متقی کا انتقال ۹۷۵ھ میں ہوا۔ انہوں نے ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک علم حدیث پر کتابیں لکھیں، جن میں "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ ایک مختصر مجموعہ "منتخب العمال" کے نام سے بھی لکھا۔

شیخ متقی کی تربیت سے کئی لوگ اوجِ کمال تک پہنچے، ان میں شیخ عبدالوہاب متقی مالوی برہان پوری شیخ محمد طاہر پٹنی (احمد آباد گجرات)، شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری، شیخ عبداللہ، شیخ رحمت اللہ سندھی اور شیخ برخوردار سندھی قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ علی متقی کے تلامذہ میں شیخ عبداللہ بن سعدالدین اور شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بھی شامل تھے ان دونوں بزرگوں کا تعلق سندھ سے ہے۔ ان کے والد بزرگوار مدینہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ دونوں بزرگ شیخ علی متقی کے خاص تلامذہ اور خلفا میں سے تھے۔ ۹۷۰ھ میں یہ دونوں مدینہ منورہ سے ہندوستان آئے اور احمد آباد (گجرات) میں سکونت پذیر ہو گئے، جہاں انہوں نے درس حدیث کی مسند بچھائی۔ آخری عمر میں یہ دونوں بزرگ حجاز واپس چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ شیخ رحمت اللہ کے بھائی شیخ حمید سندھی تھے جو علم تفسیر و حدیث میں دسترس رکھتے تھے۔ شیخ برخوردار سندھی حجاز ہی میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے بھی ان سے فیض حاصل کیا تھا۔

شیخ محمد قاسم

یہ سندھ کے باشندے تھے اور انہوں نے عرب جا کر علمِ حدیث میں اس درجے کمال حاصل کیا کہ انہیں "رئیس المحدثین" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ ان کا حجاز ہی میں انتقال ہوا۔ ان کی اولاد برہان پور میں آکر مقیم ہو گئی تھی۔ شاہ محمد عیسیٰ جند اللہ ان کے فرزند رشید تھے اور شاہ محمد کے فرزند بابا فتح محمد برہان پوری تین نسلوں تک دینی علوم اور علمِ حدیث کے وارث رہے اور اس سلسلے کو جاری رکھا۔

شیخ ابوالحسن سندھی

انہوں نے سرزمینِ عرب میں خود کو علمِ حدیث کا درس دینے کے لیے وقف کر دیا تھا، چنانچہ مدینہ منورہ میں انہوں نے "دار الشفا" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جو اب تک موجود ہے۔ مدرسے کا نام "دار الشفا" اس لیے رکھا گیا تھا کہ ان کے ایک واقفِ حال نے یہ شرط لگا دی تھی کہ اس مدرسے میں قاضی عیاض کی ایک کتاب "کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ" کا روزانہ درس دیا جایا کرے گا۔

شیخ ابوالحسن سندھی گیارھویں صدی ہجری کے درمیانی عرصے میں اس مدرسے میں درس دیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۳۹ھ میں ہوا۔ انہوں نے حرمِ نبوی میں بیٹھ کر حدیث شریف کی متعدد کتابوں کی شرح اور ان کی تعلیقات لکھی تھی۔ ان کتابوں

ہیں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کا سب سے اہم اور قابلِ ذکر کارنامہ یہ ہے کہ مسند احمد ابن حنبل جو آٹھ جلدوں میں ہے اور جس کی شرح اب تک کسی نے بھی نہیں لکھی ہے، انہوں نے پچاس جزا میں اسی کی شرح لکھی۔ ان کے شاگردوں میں دو قابل ذکر ہیں۔ ایک حاجی عبدالولی طرخانی کشمیری اور دوسرے شیخ محمد حیات سندھی۔

حاجی عبدالولی طرخانی کشمیری، دراصل طرخان واقع ترکستان کے باشندے تھے۔ وہاں سے یہ حرمین شریفین گئے۔ مدرسہ دارالشفا میں علمِ حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے کشمیر میں شیخ الاسلام مولانا قوام الدین محمد کے پاس چلے گئے اور ان کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ان کی وفات ۱۱۷۱ھ میں ہوئی۔

شیخ محمد حیات سندھی

ان کی جائے قیام سندھ میں عادل پورا در کوٹ سید موسیٰ قادری کے قرب وجوار میں تھی اور چاچڑ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ایامِ شباب میں شوق و محبت کے جذبے کی بنا پر حرمین شریفین چلے گئے اور وہیں مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کر لی اور وہیں رشتۂ ازدواج میں بھی منسلک ہوئے۔ یہاں انہوں نے شیخ ابوالحسن سندھی مدنی سے اور کسی قدر عبداللہ بن سالم سے علمِ حدیث کی تحصیل کی اور پھر تمام زندگی علمِ حدیث کی خدمت میں گزار دی۔ مصر، روم، شام، سندھ اور ہندوستان میں ان کے علم و فضل کا شہرہ تھا اور چہار دانگِ عالم سے لوگ ان کے تلامذہ میں آکر شامل ہونے لگے۔ ان کا انتقال ۱۱۶۳ھ میں ہوا۔ ہندوستان کے ان اصحاب اہلِ علم و فضل میں سے جنہوں نے علمِ حدیث کی تحصیل شیخ محمد حیات سندھی سے کی تھی، مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ شیخ غلام علی آزاد بلگرامی: انہوں نے حدیث کی کچھ کتابیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) سے پڑھیں لیکن جب یہ حجاز گئے تو مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندھی کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے اور صحیح بخاری کی ان سے تعلیم حاصل کی اور علمِ حدیث کی دیگر کتابوں میں سند حاصل کی۔

۲۔ شاہ محمد فاخر الہ آبادی: اس خاندان کا اصل مسکن غازی پور کا گاؤں سید پور تھا۔ شاہ محمد افضل نے جون پور میں تعلیم حاصل کی تھی۔ نقشبندی سلسلے سے منسلک تھے اور سنتِ نبوی کی ہر طرح سے پیروی کرتے تھے۔ شاہ محمد افضل ۱۰۴۸ھ میں تولد ہوئے اور ۱۱۲۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ تصوف اور فارسی ادبیات کی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ انہی کے نواسے شاہ محمد فاخر الہ آبادی تھے جو شاعر بھی تھے اور ان کا تخلص زائر تھا۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی شیخ محمد طاہر سے تعلیم حاصل کی۔ اٹھائیس سال کی عمر میں حج کے ارادے سے روانہ ہوئے اور پھر مدینہ منورہ پہنچے، جہاں انہوں نے شیخ محمد حیات سندھی سے علمِ حدیث کی سند حاصل کی۔ انہوں نے دو مرتبہ حج کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ تیسرا حج کرنے کا بھی ارادہ تھا کہ راستے ہی برہان پور میں ۱۱۶۴ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ "قرۃ العین فی رفع الیدین" اور "نور السنۃ" اور "التحقیق" ان کے مشہور رسالوں کے نام ہیں۔ شاہ محمد فاخر اور مولانا آزاد بلگرامی نے شیخ محمد حیات

سندھی سے مدینہ منورہ ہی میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔

قاضی ابوسعید عبدالکریم سمعانی ۵۰۶ھ میں مرو واقع ترکستان میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں ۵۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ علم حدیث کی طلب اور تحصیل کے لیے انہوں نے اس وقت کی پوری اسلامی دنیا کا دورہ کیا اس طرح انہوں نے چار ہزار استادوں سے یہ علم حاصل کیا۔ ماوراءالنہر اور خراسان کئی دفعہ گئے۔ اس کے علاوہ عراق، شام اور عرب تک کا دورہ کیا اور ہر جگہ سے فیض پایا اور برکت حاصل کی۔ انہوں نے اور ایک کتاب "کتاب الانساب"[1] کے نام سے لکھی جو ۱۹۱۲ء میں گب میموریل سیریز کے سلسلہ اشاعت میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ان لوگوں کے حالات درج کیے ہیں جو اپنے پیشے، شہر اور پیشے کی مناسبت سے مشہور تھے۔ اس کتاب میں چھٹی صدی ہجری تک کے اکثر شہروں کے باکمال اصحاب علم و فضل کا تذکرہ ہے۔ ان میں سندھ بھی شامل ہے۔ اس دور کے برصغیر کے شہروں میں سندھ، منصورہ، دیبل اور لاہور کے نام شامل ہیں مگر دہلی کا نام اس وجہ سے نہیں آیا کہ اس زمانے یعنی ۵۶۲ھ تک دہلی مسلم حکومت کے دائرے میں نہ آیا تھا۔ اس کتاب میں سندھ کے مندرجہ ذیل بزرگوں کا تذکرہ ہے۔

۱۔ ابومعشر نجیح (متوفی ۱۷۰) اور رجا سندھی (متوفی ۲۲۱ھ)۔ اس میں رجا سندھی کی اولاد کا بھی تذکرہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں کافی عرصے تک علم حدیث کا چشمہ فیض جاری رہا تھا۔ ان میں ابوعبداللہ بن رجا اور ابوبکر محمد بن محمد بن رجا بہت مشہور ہیں۔

۲۔ ابونصر فتح بن عبداللہ، فقیہ، متکلم اور محدث تھے، اور حسن بن سفیان کے حلقے میں تشریف لے جاتے، یہ ہمدان اور قزوین کے قاضی بھی رہے تھے۔

۳۔ احمد بن سندھی بن فروخ، بغداد میں سکونت پذیر تھے۔

۴۔ احمد بن سندھی بن حسن بھی بغداد ہی میں رہائش پذیر تھے۔

بیت المقدس کا عرب سیاح اور عالم ابوالقاسم مقدسی چوتھی صدی ہجری میں سندھ آیا۔ وہ سندھ کے اسلامی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ان میں زیادہ تر اہل حدیث ہیں اور یہاں کے بڑے شہر اور گاؤں حنفی فقہ سے خالی نہیں ہیں لیکن مالکی یا حنبلی فقہ سے متعلق فرد کوئی نہیں ہے"۔ اہل حدیث کا ایک فرقہ ظاہریہ کہلاتا ہے، اس

---

[1] مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ کی مطبوعہ معروف کتاب "ارباب علم و کمال اور پیشہ رزق حلال"، مولفہ مولانا عبدالقیوم حقانی بھی زیادہ تر اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اردو زبان میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جس کے تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں جسے جی ایچ کیو نے ملک بھر کے قومی خطیبوں کے لیے ریویو کے لیے منظور کیا اور نیشنل بک کونسل آف پاکستان نے سرٹیفیکیٹ آف کمینڈیشن دی۔

کے بانی امام داؤد بن علی اصفہانی (متوفی ۲۷۰ھ) ہیں۔ یہ ہر قسم کے قیاس کے سخت مخالف تھے اور قرآن کریم اور حدیث نبوی کے صرف ظاہری معنی پر ہی اکتفا کرتے تھے اور اسی وجہ سے یہ ظاہری کہلاتے تھے۔ داؤد ظاہری کے انتقال کے ایک سو سال کے بعد ابوالقاسم مقدسی سندھ آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں داؤدی مذہب کے محدث موجود تھے۔ اس مقام پر وہ منصورہ کے قاضی ابومحمد کا تذکرہ کرتا ہے جن سے اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی، یہ داؤد ظاہری کے مسلک کے پیرو اور اپنے مذہب کے امام تھے۔ ان کے درس کا سلسلہ بھی قائم تھا اور ان کی کئی قابلِ قدر تصانیف بھی تھیں۔ اس لحاظ سے قاضی ابومحمد کا دور چوتھی صدی ہجری کے آخری حصے سے منسلک ہوگا۔

منصورہ کے ایک دوسرے محدث قاضی ابوالعباس احمد بن محمد المنصوری تھے۔ ان کا تذکرہ سمعانی نے کیا ہے۔ یہ بھی ظاہری مذہب کے امام تھے۔ عراق اور فارس میں بھی کچھ عرصہ رہے تھے اور مشہور محدث ائمہ کے حلقۂ درس میں شامل رہے تھے اور ابوعبداللہ حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) ان کے شاگرد تھے۔ اس طرح یہ بھی چوتھی صدی ہجری کا آخری دور تھا۔

سمعانی نے دیبل کے جن چند محدثین کا تذکرہ کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ابوجعفر بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی ـــــ یہ مکہ معظمہ میں رہائش پذیر تھے اور امام ابن کینیہ کی "کتاب التفسیر" کے ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی کے واسطے سے اور امام عبداللہ بن مبارک کی "کتاب البر والصلوٰۃ" کے ابوعبداللہ حسین بن حسن مروزی کے واسطے سے راوی ہیں۔ انہوں نے عبدالحمید ابن صبیح سے بھی روایت کی ہے۔

۲۔ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی ـــــ یہ ابوجعفر دیبلی کے فرزند تھے۔ انہوں نے موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ سے روایت کی ہے۔

۳۔ ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی ـــــ انہوں نے ابوقطان دیبلی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ یہ مصر تشریف لے گئے اور وہاں اپنا حلقۂ درس قائم کیا۔ ابوسعید بن یونس ان کے شاگرد تھے۔

۴۔ علی بن موسیٰ دیبلی ـــــ یہ اپنے دور کے ایک مشہور محدث تھے۔

۵۔ خلف بن محمد دیبلی ـــــ یہ علی بن موسیٰ دیبلی کے شاگرد تھے۔ بغداد میں جا کر رہنے لگے، ان کے سیکڑوں تلامذہ تھے۔

۶۔ ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی ـــــ یہ اپنے دور کے مشہور محدث تھے اور محمد بن ابراہیم دیبلی کے شاگرد تھے۔ یہ احادیث معلوم کرنے کے لیے اور ان کی سماعت کے لیے نیشاپور، بصرہ، بغداد، مکہ معظمہ، مصر، دمشق، بیروت، نجران اور تستر تک گئے۔ ان کا انتقال ۳۴۳ھ میں ہوا۔